النور

جنوری ۲۰۱۳ء

ختمِ نبوت کی داعی واحد جماعت

حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ نیا نہ پُرانا

مدیر
شاہد عزیز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعلانات اور خبریں

انگلستان

ماھانہ مجلس

۳ بجے ۲ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار
دارالسلام ۱۵ سٹینلے ایونیو ویمبلے

نماز جمعہ ۱۲:۳۰ بجے دوپہر

نشریات

www.virtualmosque.co.uk پر

جمعہ: ۱۲:۳۰

درس: بروز جمعہ ۱۳:۱۵

ماہانہ مجلس: ۱۵:۰۰

عیدین: ۱۱:۰۰ اور پنجاب ریڈیو (سکائی چینل ۰۱۳۰) پر ۱۳:۰۰ تا ۱۴:۰۰

کلامِ امام

حضرت مرزا غلام احمد
مجدد صد چار دھم

(برکات الدعا حضرت صاحب نے سر سید احمد خانصاحب کے ایک مضمون کے جواب میں لکھی تھی جس میں اُنہوں نے فرمایا تھا کہ دُعا انسان صرف اپنی تسلی کے لئے کرتا ہے لیکن اِس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ جن 'سید' صاحب کا اِس مضمون میں ذکر ہے وہ سر سید احمد خانصاحب ہی ہیں)

استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ فائدہ کی بات ہے

اِسلام کا مطلب ۔ انسانیت سے لگاؤ و محبت

کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے کے لگتے ہیں پس یہی سبب سید کی غلط فہمی کا ہے۔اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہوجاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہوکر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہوکر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کہ وہ اسباب طبیعہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔اور اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہوچکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہوجاتی ہے۔یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے۔اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔اور دنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ اپہلے اس کے کسی آنکھ نے دیکھا۔اور نہ کسی کان نے سنا۔کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچادیا۔اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ بعدد ھمہ وغمہ وحزنہ لھذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور انکا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کرسکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر پر محیط ہو رہی ہے۔مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کرکے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کرکے دیکھو تو یہ

جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور میسر آجاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے۔ یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب وشرائط قبولیت اسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادۂ الٰہی اس کے قبول کرنے کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے۔ پس سید صاحب کی سخت غلطی ہے کہ وہ نظام جسمانی کا تو اقرار کرتے ہیں مگر نظام روحانی سے منکر ہو بیٹھے ہیں!

بالآخر میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سید صاحب اپنے اس غلط خیال سے توبہ نہ کریں اور یہ کہیں کہ دعاؤں کے اثر کا ثبوت کیا ہے۔ تو میں ایسی غلطیوں کے نکالنے کے لئے مامور ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت سید صاحب کو اطلاع دوں گا۔ اور نہ صرف اطلاع بلکہ چھپوا دوں گا۔ مگر سید صاحب ساتھ ہی یہ بھی اقرار کریں کہ وہ بعد ثابت ہوجانے میرے دعویٰ کے اپنے اس غلط خیال سے رجوع کریں گے۔

سید صاحب کا یہ قول ہے کہ گویا قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ تمام دعائیں قبول نہیں ہوتیں یہ ان کی سخت غلط فہمی ہے۔ اور یہ آیت ادعونی استجب لکم (المومن:۶۱) ان کے مدعا کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ یہ دعا جو آیت ادعونی استجب لکم (المومن:۶۱) میں بطور امر کے بجا لانے کے لئے فرمائی گئی ہے۔ اس سے مراد معمولی دعائیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ عبادت ہے جو انسان پر فرض کی گئی ہے کیونکہ امر کا صیغہ یہاں فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کل دعائیں فرض میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ بعض جگہ اللہ جل شانہ نے صابرین کی تعریف کی ہے جو انا للہ پر ہی کفایت کرتے ہیں۔ اور اس دعا کی فرضیت پر بڑا قرینہ یہ ہے کہ صرف امر پر ہی کفایت نہیں کی گئی بلکہ اس کو عبادت کے لفظ سے یاد کر کے بحالت نافرمانی عذاب جہنم کی وعید اس کے ساتھ لگا دی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دوسری دعاؤں میں یہ وعید نہیں۔ بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دعا مانگنے پر زجر وتوبیخ کی گئی ہے چنانچہ انی اعظک ان تکون من الجٰھلین (الھود:۴۷) اس پر شاہد ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہر دعا عبادت ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کو لا تسئلن کا تازیانہ کیوں لگایا جاتا! اور بعض اوقات اولیاء اور انبیاء دعا کرنے کو سوء ادب سمجھتے رہیں ہیں اور صلحاء نے ایسی دعاؤں میں استفتاء قلب پر عمل کیا ہے یعنی اگر مصیبت کے وقت دل نے دعا کرنے کا فتویٰ دیا تو دعا کی طرف متوجہ ہوئے اور اگر صبر کے لئے فتویٰ دیا تو پھر صبر کیا اور دعا سے منہ پھیر لیا۔ ماسوا اس کے اللہ تعالیٰ نے دوسری دعاؤں میں قبول کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ صاف فرما دیا ہے کہ چاہوں تو قبول کروں اور چاہوں تو رد کروں جیسا کہ یہ آیت قرآن کی صاف بتلا رہی ہے اور وہ یہ ہے بل ایاہ تدعون فیکشف ماتدعون الیہ ان شاء (الانعام:۴۲) سورۃ الانعام الجزء نمبر ۷ اور اگر ہم تنزلاً مان بھی لیں کہ اس مقام میں لفظ ادعو سے عام طور پر دعا ہی مراد ہے تو ہم اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں دیکھتے کہ یہاں دعا سے وہ دعا مراد ہے جو بجمیع شرائط ہو۔ اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دعا کرتا ہے یا جس کے لئے دعا کی گئی ہے اس کی دنیا اور آخرت کے لئے سب جمع ہو جاتے ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عنداللہ سائل کے لے خلاف مصلحت الٰہی ہوتی ہے۔ اور اس کے پورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کسی ماں کا پیارا بچہ بہت الحاح

اوررونے سے یہ چاہے وہ وہ آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا بچہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دے۔ یا ایک زہر جو بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے اس کو کھلا دے تو یہ سوال اس بچہ کا ہرگز اس کی ماں پورا نہیں کرے گی۔اور اگر پورا کردیوے اور اتفاقا بچہ کی جان بچ جاوے لیکن کوئی عضواس کا بے کار ہوجاوے تو بلوغ کے بعد وہ بچہ اپنی اس احمق والدہ کا سخت شاکی ہوگا اور بجز اس کے اور بھی کئی شرائط ہےں کہ جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں اس وقت تک دعا کو دعا نہیں کہہ سکتے۔اور جب تک کسی دعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو اور جس کے لئے دعا کی گئی ہے اور جو دعا کرتا ہے ان میں استعداد قریبہ پیدا نہ ہو تب تک یہ تمام شرائط جمع نہیں ہوتیں۔اور ہمتیں پوری توجہ سے قاصر رہتی ہے۔سید صاحب اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ دار آخرت کی سعادتیں اور نعمتیں اور لذتیں اور راحتیں جن کی نجات سے تعبیر کی گئی ہے ایمان اور ایمانی دعاؤں کا نتیجہ ہیں پھر جبکہ یہ حال ہے تو سید صاحب کو ماننا پڑا کہ بلا شبہ ایک مومن کی دعائیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور آفات کے دور ہونے اور مرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہوجاتی ہیں کیونکہ اگر موجب نہیں ہوسکتیں تو پھر کیا وجہ کہ قیامت میں موجب ہوجائیں گی۔سوچو اور خوب سوچو کہ اگر درحقیقت دعا ایک بے تاثیر چیز ہے اور دنیا میں کسی آفت کے دور ہونے کا موجب نہیں ہوسکتی تو کیا وجہ کہ قیامت کو موجب ہو جائے گی؟ یہ بات تو نہایت صاف ہے کہ اگر ہماری دعاؤں میں آفات سے بچنے کے لئے درحقیقت کوئی تاثیر ہے تو وہ تاثیر اس دنیا میں بھی ظاہر ہونی چاہیئے تا ہمارا یقین بڑھے اور امید بڑھے اور تا آخرت کی نجات کے لئے ہم زیادہ سرگرمی سے دعائیں کریں۔اور اگر درحقیقت دعا کچھ چیز نہیں صرف پیشانی کا نوشتہ پیش آنا ہے تو جیسا دنیا کی آفات کے لئے بقول سید صاحب! دعا عبث ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی عبث ہوگی اور اس پر امید رکھنا طمع خام۔(برکات الدعا، صفحہ ۴۶۔۵۱)

درسِ بُخاری

حضرت مولانا محمد علی (رح)

کتاب الایمان

(17) بَابٌ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ

(23) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْآ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءَ ھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ اِلاَّ بِحَقِّ الْاِسْلاَمِ وَ حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ

(18) بَابٌ مَنْ قَالَ اِنَّ الْاِیْمَانَ ھُوَ الْعَمَلُ لِقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَتِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَقَالَ عِدَّۃٌ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالیٰ فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا کَانُوا یَعْمَلُوْنَ عنْ قَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَقَالَ لِمِثْلِ ھٰذا فَلْیَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ

(24) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلیَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلَ اَفْضَلُ فَقَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِھادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ

(19) بَابٌ اِذَا لَمْ یَکُنِ الْاِسْلاَمُ عَلیٰ الْحَقِیْقَۃِ وَکَانَ عَلیٰ الْاِسْتِسْلاَمِ اَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ لِقَوْلِہٖ تَعَالیٰ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَاِذَا کَانَ عَلیٰ الْحَقِیْقَۃِ فَھُوَ عَلیٰ قَوْلِہٖ جَلَّ ذِکْرُہٗ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلاَمُ اَلاٰیَۃَ

(25) عَنْ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى رَهْطًا وَّسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَكَ عَنْ فُلاَنٍ فَوَاللّٰهِ اِنِّي لاَ رَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيْلاً ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَآ اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِيْ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلاَنٍ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لاَ رَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيْلاً ثُمَّ غَلَبَنِيْ ما اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِيْ وَ عَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يَّكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ

ترجمہ

(17) باب اس آیت کی تفسیر کہ اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو (23)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں پس جب ایسا کریں تو انہوں نے اپنے خونوں اور اپنے مالوں کو بچا لیا سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے 89

(18) باب جو شخص کہے کہ ایمان عمل ہی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ جنت اس کے تم وارث کئے گئے ہو اس کی وجہ سے جو تم عمل کرتے تھے اور کئی اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہ تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے اس کے متعلق سوال کریں گے جو وہ عمل کرتے تھے یہ کہا ہے کہ مراد اس سے لا الہ الا اللّٰہ کا کہنا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسی کی مثل کے لئے چاہئے کہ عمل کرنے والے عمل کریں 90

(24) ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کہا گیا پھر کونسا فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کہا گیا پھر کونسا فرمایا خلوص والا حج 91

(19) باب جب اسلام حقیقت بر نہ ہو اور صرف ظاہری تابعداری پر ہو یا قتل کے خوف سے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے کہہ دے تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو کہ ہم فرمانبردار ہوئے اور جب وہ اپنی حقیقت پر ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے 92

(25) سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو کچھ دیا اور سعد بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو چھوڑ دیا جو ان سے زیادہ مجھے پسند تھا میں نے کہا یا رسول اللہ فلاں شخص کا معاملہ کیا ہے اللہ کی قسم میں اسے مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا بلکہ مسلم میں تھوڑی دیر چپ رہا پھر مجھ پر وہی خیال غالب آیا جو میں اس کے متعلق جانتا تھا سو میں نے اپنی بات کو دوہرایا اور کہا کہ آپ نے فلاں کو کیوں چھوڑ دیا اللہ کی قسم میں اسے مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا بلکہ مسلم پھر میں تھوڑی دیر چپ رہا پھر مجھ پر وہی خیال غالب آیا جو میں اس کے متعلق جانتا تھا اور میں نے اپنی بات کو دوہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات دوہرائی پھر فرمایا اے سعد میں ایک شخص کو کچھ

اعتماد اور اتحاد ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں

دیتا ہوں اور دوسرا مجھے اس کی نسبت زیادہ پیارا ہوتا ہے اس ڈر سے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں اوندھا نہ کردے 93

تشریح

89: ۔اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں ان کو قتل کر دینا چاہئے صریح غلطی ہے اول تو یہاں لفظ اقاتل اختیار کیا ہے جو باب مفاعلہ سے ہے پس دوسرا جنگ کرنے والا سامنے ہونا چاہئے، دوسرے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا تھا تو پھر آپ نے حدیبیہ میں اس کے خلاف کیوں کیا کہ ان لوگوں سے جو لا الٰہ الا اللّٰہ کے قائل نہ تھے صلح کرلی اگر یہ کہا جائے کہ یہ امر بعد میں ہوا تھا تو درست نہیں کیونکہ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للّٰہ تو صلح حدیبیہ سے پیشتر کا قرآن شریف میں موجود ہے اور اس سے زیادہ واضح احکام جنگ کو جاری رکھنے کے لئے نہیں ہوسکتے یہ بھی کہا گیا ہے کہ عارضی طور پر کچھ مدت کے لئے جنگ چھوڑ دینا جائز ہے مگر حدیث کے الفاظ سے یہ نہیں نکلتا اور اصل بات یہ ہے کہ جب قرآن شریف نے صاف فرمادیا وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم تو اب حدیث کو اس اصول محکم کے ماتحت کرنا ہوگا اور امرت ان اقاتل الناس میں وہی لوگ مراد لئے جائیں گے جو آپ کے ساتھ جنگ کرتے تھے ورنہ قرآن کریم کی صراحت کے سامنے یہ حدیث قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب الاسناد ہے، شارحین نے مراد یہاں صرف مشرکین کو لیا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ وہی لوگ مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرتے تھے اور اس پر قرآن کریم کی شہادت کافی ہے کہ فرماتا ہے و قاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں باقی رہا یہ کہ مسلمان ہوجائیں تو چھوڑ دو اس میں جبر نہیں پایا جاتا ہاں کمال اخوت اسلامی پایا جانا ہے کہ خطرناک دشمن بھی اس سلسلہ اخوت میں داخل ہوجائے تو اس کے سارے پرانے قصور معاف کردیئے جائیں۔

90: ۔اس باب کا منشا یہ ہے کہ ایمان بھی ایک عمل ہے کیونکہ ایمان میں زبان سے اقرار تصدیق قلب اور اعمال بالجوارح سب شامل ہیں اور یہ سب عمل ہی ہیں آیات سے یہ شہادت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت تم کو اس لئے دی گئی کہ تم عمل کرتے تھے پس ایمان کو بھی عمل میں شامل کیا ہے، دوسری آیت کے متعلق امام مجاہد اور انس بن مالک اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہے کہ اس میں توحید کے متعلق سوال کیا جانے کا ذکر ہے جو ایمان ہے مگر بہر حال اعمال میں یہاں بھی ایمان کو شامل کیا ہے۔

91: ۔اس حدیث میں سب سے بڑا عمل ایمان کو قرار دیا ہے پھر جہاد کو پھر حج مبرور کو۔ حج مبرور وہ ہے جس میں کسی قسم کا گناہ شامل نہ ہو اور نہ ریا وغیرہ ہو یوں ایمان کے وسیع مفہوم میں تو یہ سب اعمال شامل ہیں مگر یہاں ان کو الگ کرکے دکھانا ان کی عظمت کے لحاظ سے ہے ان اعمال میں جو مخلوق کی بھلائی سی تعلق رکھتے ہیں سب سے افضل عمل جہاد کو فرمایا ہے اور ان میں جو اپنے نفس سے تعلق رکھتے ہیں سب سے افضل حج کو فرمایا ہے جن دوسری احادیث میں کسی اور عمل کو افضل کہا ہے وہ بھی کسی خاص لحاظ سے فرمایا ہے مثلاً مخلوق کو نقصان سے بچانے کے لحاظ سب سے افضل یہ ہے کہ من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یا مختلف موقعوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے فرمایا ہے اور یہ سب ہی افضل اعمال سے ہیں۔

92: ۔اس باب میں امام بخاری نے لفظ اسلام کی وسعت

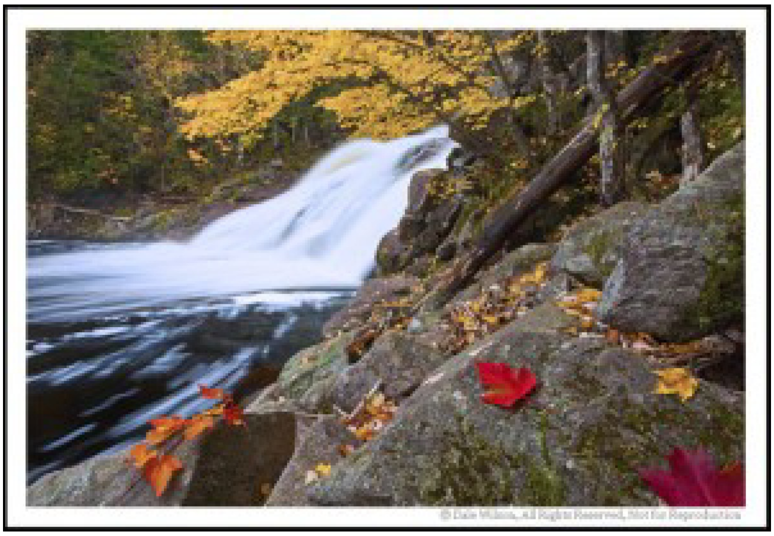

معنی کو دکھایا ہے ایک طرف جب اسلام کے کمال کا ذکر کیا کہ کن کن باتوں سے یہ اپنے کمال کو پہنچتا ہے مگر پھر بھی اسلام ہی کہلاتا ہے تو دوسری طرف دکھایا ہے کہ محض ظاہری طور پر زبان سے اقرار کر دینا بھی اسلام ہے گویا اصل حقیقت اسلام کی ایک شخص میں نہ پائی جائے بلکہ گو صرف خوف کی وجہ سے ہی اظہار اسلام کیا ہوا ایسے شخص کو بھی مسلم ہی کہا جائے گا تو جس صورت میں وہ بھی مسلم ہے تو جس میں بعض باتیں اسلام کی نہ پائی جائیں وہ بھی مسلم ہی کہلا ئیگا یوں بتایا ہے کہ اس لفظ کا استعمال صرف ظاہر کے لحاظ سے ہے خواہ اس کے نیچے حقیقت اسلامیہ کامل ہو یا ناقص یا بالکل نہ ہو اور ایمان میں تصدیق قلبی ضروری ہے پس جہاں ظاہرا اظہار اسلام ہو اور تصدیق قلبی نہ ہو وہ بھی مسلمان ہی کہلائے گا اور مسلمان کا سا ہی سلوک اس سے کیا جائے گا مگر مومن وہ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ تصدیق قلبی نہ ہو اسلام اور ایمان میں اسی قدر فرق ہے جو آیت کریمہ شہادت میں پیش کی ہے اس میں بھی ان لوگوں کو مسلم کہا گیا ہے یا ان کے مذہب کو اسلام کہا گیا ہے تین میں حقیقت ایمانی نہ تھی۔

93:۔ اس حدیث میں جس شخص کا نام مذکور نہیں اور ذکر ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ دیا وہ جعیل بن سراقہ ضمری ہے جو مہاجر تھا۔ رہط اس گروہ کو کہتے ہیں جس میں تین سے دس تک آدمی ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گروہ کو صدقات میں سے کچھ دیا اور ایک آدمی کو جو غالباً وہ کبھی سائل تھا یا اس وقت بیٹھا تھا کچھ نہ دیا اور آخر آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جن لوگوں کو دیا وہ ابھی بہت ناقص حالت میں تھے اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے کہ اگر ان کے ساتھ کچھ احسان نہ کیا جاتا تو ان کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو کر وہ آگ میں جا پڑتے اور جس کو نہیں دیا گیا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ وہ کامل الایمان لوگوں میں سے ہے اور اگر اسے تکلیف بھی پہنچے تو بھی اسلام کو نہیں چھوڑے گا۔ سعدؓ کے یہ کہنے پر کہ میں اسے مومن دیکھتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ بلکہ مسلم کہو وہ لحاظ سے ہوسکتا ہے یا تو اس طرح کہ ظاہری حالات کے لحاظ سے مسلم ہی کسی کو کہہ سکتے ہیں اور یا اس طرح کہ یہاں مسلم سے مراد آپ کی اس کا کامل فرمانبردار ہونا تھا جن معنوں میں ان الدین عند اللّٰہ الاسلام میں اسلام آیا ہے یا جیسے بلیٰ من اسلم وجھہ اللّٰہ میں۔

جائے ولادت مسیح علیہ السلام

حضرت مولانا عبدالحق وِدیارتھی

از روئے اناجیل ناصرۃ یا ناصرہ (NAZARETH) جو علاقہ جلیل (EE GALIL) کا شہر ہے اور یوسف و مریم کا اپنا وطن بتایا گیا ہے بپتسمہ پانے سے پہلے آپ وہیں رہتے تھے۔ (متی ۴:۱۳ اور ۲۱:۱۱، مرقس ۱:۹، لوقا ۱:۲۶ و ۲:۴، ۳۹، ۵۱، اور ۴:۱۶، یوحنا ۱:۶ ۴، اعمال ۱۰:۳۸)) میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی بناء پر عیسائی نصاری کہلائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ صدر عیسائیت کے ۳۰۰ برس تک اس میں کوئی عیسائی نہیں ہوا۔ اور یہ ایک خالص یہودی آبادی رہی۔ مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی صلیبی جنگوں کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف اسے عیسائیوں میں جوش اور غیرت کا آلہ بنایا گیا اور اس کی اہمیت پیدا ہوگئی مگر یہ بات مشکوک ہے کہ آیا یہ وہی شہر ناصرۃ ہے جو یسوع کا مولد کہلاتا ہے یا وہ اس موجودہ شہر سے جانب جنوب جبل کفسیہ کے دامن میں کوئی اور شہر تھا۔ آیا فی الحقیقت ناصرۃ کوئی شہر تھا یا اس کا کوئی وجود بھی تھا؟ خود انجیل کے دو حوالے اس کے متعلق شکوک پیدا کرتے ہیں۔ متی ۲:۲۳ میں ہے کہ:۔

''یوسف یسوع کی ماں کو لے کر جلیل کی اطراف میں روانہ ہوا اور ایک شہر جس کا نام ناصرۃ تھا جا کے رہا تاکہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا

پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔''

متی کا یہ حوالہ سراسر غلط ہے کسی کتاب میں نبیوں نے نہیں کہا کہ آنے والا نبی ناصری کہلائے گا۔اس کے متعلق جوحوالہ قاضیوں کی کتاب اور سموئیل اول ۱:۱۱ کا دیا گیا ہے اس میں تو یہ ذکر ہے کہ بعض لوگ اپنے بچوں کے لئے نذر مانتے اور اپنے بچوں کے سر پر اُسترا نہیں پھیرتے تھے اور یوحنا ۲:۴۶ میں صرف یہ لکھا ہے کہ:۔

''ناصرہ سے کوئی اچھی چیز نہیں نکل سکتی۔''

یہ ایک اہم اور لاینحل معمہ ہے جناب مسیح کی جائے پیدائش ناصرہ تھی یا بیت اللحم (BETHLEHEM) اگر وہ واقعی ناصرۃ میں پیدا ہوئے تھے تو یہ کہنا کہ ان کا باپ جلیل کے اطراف یا جلیل نامی شہر میں جا رہا تا کہ وہ ناصری کہلائے تو بیت اللحم میں پیدا ہونا غلط ہوا۔اور اگر بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے تو ناصری کہلانے کے لئے ناصرہ میں جا آباد ہوئے غلط ہو گیا کوئی شخص دو مختلف مقامات پر پیدا نہیں ہوسکتا۔

متی ۱:۱۸ تا ۲۵ میں مسیح کی جائے پیدائش کا کوئی ذکر نہیں، مرقس اور یوحنا نے ان کی جائے پیدائش ہمیں بتائی ہے سوائے اس کے کہ ان کا بچپن اور نوعمری ناصرہ میں گذری۔

یہ سوال کہ ناصرہ مسیح کا آبائی وطن کیوں بتایا گیا؟ ایک لا جواب سوال ہے متی کا صرف یہ کہہ دینا کہ یسوع مسیح کے باپ یوسف کا حاکم سے ڈر کر وہ بچہ کو مار نہ دے ناصرہ میں جا رہنا ناصرہ کو مسیح کا آبائی وطن نہیں بنا دیتا دوسری طرف یہ سوال کہ یوسف اور مریم دونوں ناصرۃ سے سفر کر کے بیت اللحم اس لئے چلے گئے کہ پیدا ہونے والا وہاں پیدا ہوا اور انبیاء کی پیشگوئی پوری ہو کہ وہ بیت اللحم میں پیدا ہو گا یہ بھی غلط ہے کیونکہ لوقا یہ بتاتا ہے کہ وہ مردم شماری میں نام لکھوانے گئے تھے تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مردم شماری یا تو پیدائش مسیح سے آٹھ برس پہلے ہو چکی تھی یا چھ برس بعد ولادت ہوئی تھی تو چھ سال پہلے ہی مردم شماری کی انتظار میں جا بیٹھنا کیونکر ممکن ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱۔اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمدﷺ کی رسالت پر ایمان۔

۲۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تھے۔بالفاظ بانی سلسلہ:۔''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا'' جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوا سے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔'' میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

۳۔قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴۔آنحضرتﷺ کے بعد مجدد ین آئیں گے۔اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء۔

۵۔ہم تمام صحابہ کرام اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ہر اس شخص کو جو لآ اِلٰہَ اِلاّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رسولُ اللّٰہُ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے۔خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷۔حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدد و مسیح و مہدی کا تھا نبی ہر گز نہیں۔ان کے اپنے الفاظ:''اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔''

شائع کردہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو کے

15 Stanley Ave,Wembley, UK HA0 4JQ

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: aaiiLahore@gmail.com